رجسٹرڈ انگلشیہ نمبر ( )

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ہے
سہ ماہی .... عہ

قیمت پرانا پرچہ (۴)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

مملکت

ہفتہ وار

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ایل ایل بی (عثمانیہ)

رجسٹر آصفیہ نمبر (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ .... ے
ششماہی .... ہے
سہ ماہی .... عہ

قیمت فی پرچہ (۲)

جلد ۳ | یکم دے ۱۳۵۳ف | ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ | ۶ نومبر ۱۹۴۳ء شنبہ | نمبر (۳۰)

وفاق ہندوستان کے لئے موزوں نہیں

پروفیسر ریجنالڈ کوپ لینڈ کی تقریر

ایسٹ انڈیا اسوسی ایشن کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے پروفیسر ریجنالڈ کوپ لینڈ نے کہا کہ ہندوستان میں جدید دستور کے تحت مخلوط وزارتیں تشکیل دی جانی چاہئیں کیونکہ قانون حکومت ہند بابت ۱۹۳۵ء کے بانیوں کی توقعات پوری نہیں ہوئیں۔

اس جلسہ میں مسٹر ایمری وزیر ہند نے بھی تقریر کی اور دوران تقریر میں کہا کہ میں نے پارلیمنٹ اور پارلیمنٹ سے باہر بارہا اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہمارا مخصوص وضع کردہ دستور ———— جس میں عاملہ مقننہ کی اکثریت کی تائید پر مبنی ہے اور مقننہ کی یہ اکثریت بھی پارلیمنٹ سے باہر ایک چھوٹی سی جماعت کے احکام کے تابع ہوتی ہے ———— ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے موزوں نہیں۔ میرے خیال میں ہندوستان کے سیاسی تعطل کی وجہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کے لیڈروں کا یہ مفروضہ ہے کہ اس ملک میں جو دستوری حل ہم نے کوشش اور آزمائش سے منکشف کیا ہے وہی ایک تنہا حل ہے۔ ہندوستانی مسئلہ کی بحث میں جو شدت اور گرمی نظر آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے ذہن میں متبادل حل نہیں آتا۔

پروفیسر کوپ لینڈ نے کہا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو خلیج حائل ہوگئی ہے اس کی وجہ کانگریس کی یہ خواہش ہے کہ حکومت برطانیہ کی جگہ لے۔ اگر اس انقلابی تحریک کامیاب ہو جاتی تو مسلم لیگ کا رد عمل بھی فطری تھا کیونکہ اس کے معنے نہ صرف سات ہندو صوبوں میں بلکہ مرکز میں بھی ایک مستقل ہندو راج کے ہیں مسلم لیگ جس کو مسلم اکثریت کی تائید حاصل ہے پاکستان کا مطالبہ کر رہی ہے۔ پروفیسر موصوف دریافت کرتے ہیں کہ کیا ہندوستان کی تقسیم ناگزیر ہے؟ کیا ایک متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مطالبات کی تکمیل نہیں ہو سکتی؟ اس سوال کا جواب صرف ہندوستان کے لوگ ہی دے سکتے ہیں۔ مسائل ہند کے برطانوی متعلمین صرف قیاس آرائی کر سکتے ہیں۔

موجودہ دستور کی عمل پیرائی سے متعلق ہندوستان میں اب عام طور پر تسلیم کیا جا رہا ہے کہ ایک پارٹی کی حکومت کی جگہ مخلوط حکومت کو دی جانی چاہئے اور چونکہ قانون حکومت ہند بابت ۱۹۳۵ء کے بانیوں کی توقعات پوری نہیں ہوئیں اس لئے مخلوط حکومت کو دستور جدید میں جگہ دی جائے۔ اس کے علاوہ کسی منظم پارٹی سسٹم کی عدم موجودگی کی وجہ سے پارلیمانی طرز حکومت ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے غیر موزوں ثابت ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقننہ میں مسلسل کوشش کی جاتی ہے کہ عاملہ کو برطرف کر دیا جائے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ صوبہ واری حکومتوں کے وقار کو دھکا لگتا ہے اور وہ کمزور ہو جاتی ہیں بلکہ اس سے فرقہ واری کشمکش بھی بڑھ جاتی ہے۔ لہٰذا کیا یہ دانشمندی نہ ہوگی کہ مخلوط حکومتیں قائم کی جائیں اور ان حکومتوں کو روزمرہ کاروبار میں مقننہ کی اکثریت پر انحصار کرنے سے بے نیاز کر دیا جائے۔

سوئزرلینڈ کے دستور میں یہ دونوں چیزیں ہیں۔ سوئز دستور کی طرح ہندوستان میں تمام بڑی جماعتوں اور فرقوں کی عاملہ میں نمائندگی دی جا سکتی ہے اور اس طرح مخلوط حکومت تشکیل دی جا سکتی ہے۔ سوئز دستور میں یہ بھی مرقوم ہے کہ وفاقی عاملہ جس کو وفاقی مقننہ منتخب کرتا ہے اس مدت تک برسر خدمت رہتا ہے جس مدت کے لئے اس کو منتخب کیا جاتا ہے۔ اس سے حکومت مستحکم رہتی ہے۔ عام طور پر جس کو وفاقی مرکز کہا جاتا ہے وہ مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ قانون ۱۹۳۵ء کے وفاقی مرکز کی طرح ہر وفاق ہند میں مرکز کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قوم بحیثیت مجموعی ایک اور ناقابل تقسیم ہے۔ مسلمان یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہندوستان ایک قوم ہے۔ ان کا ادعا یہ ہے کہ وہ ایک جداگانہ قوم ہیں اور دوسری قوموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کے مستحق ہیں اور دوسری قوموں کی طرح اپنے قومی وطن پر حکمرانی کا استحقاق رکھتے ہیں۔

اگر یہ مطالبہ تسلیم کر لیا جائے اور ہندوؤں کے لئے اس کا تسلیم کرنا دشوار ہے تو مرکز کے وفاقی تصور کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ ایسی صورت میں سات ہندو صوبوں اور چار مسلم صوبوں کی ایک متحدہ قومی وفاق کے تحت تشکیل ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں ہندوستان کی ایک مسلم قوم کے تصور کو جو وفاقی صورت دی پڑے گی اور اس قوم کو ہندو قوم کے ساتھ مساوات کی بنیاد پر ملانا پڑے گا۔ وفاق اور تقسیم ہند کے مابین ایک درمیانی راستہ اس طرح پیدا کیا جا سکتا ہے کہ صوبوں کو منطقوں میں از سر نو ترتیب دی جائے۔

صوبوں کی منطقوں میں تقسیم کوئی نیا تصور نہیں ہے۔ یہ تصور پنجاب میں پیدا ہوا۔ سر محمد اقبال نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اپنے تاریخی خطبہ صدارت میں کہا تھا کہ ۔۔۔ دی جائیں جن میں زبان، نسل، تہذیب، مذہب اور معاشی مفاد کے اعتبار سے اتحاد ہو۔ وہ خاص کر شمال مغرب میں ایک مسلم مملکت کا قیام چاہتے تھے۔ ۱۹۳۹ء میں اس تصور ۔۔۔

بقیہ سلسلہ صفحہ ۔۔۔

مملکت
ہفتہ وار

نمبر (۳۰)	یکم دے ۱۳۵۳ف	جلد ۳

لارڈ ویول کی آمد

ابھی ایک گزشتہ اشاعت میں لارڈ ویول کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہم نے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ ہز ایکسلنسی سیاسی الجھنوں میں اپنی ان صفات کو جول نہیں گے جو ایک سپاہی کا طرۂ امتیاز ہوتی ہیں۔

اس موقع پر ان توقعات کا اظہار کرتے وقت جو لارڈ ویول کی آمد سے پیدا ہو رہی ہیں ہمارا ذہن ہز ایکسلنسی کی اس تقریر کی طرف منتقل ہو رہا ہے جو ۲۰ ستمبر کو لندن میں کی گئی تھی اور جس میں ہندوستان سے متعلق اپنی پالیسی کی نسبت ہز ایکسلنسی نے فرمایا تھا کہ :-

"ہندوستان سے میرا تعلق اس وقت سے ہے جب میں کپتان سے بھی کم درجے کے عہدے پر تھا۔ مجھے ہندوستان سے حقیقی محبت ہے اور اس کے باشندوں سے ہمدردی ہے۔

مجھ پر ہندوستان کا فرض ہے اور میں اس فرض کو ادا کر دینا چاہتا ہوں۔ ہندوستان میں میرے سامنے تین بڑے مسئلے درپیش ہوں گے اول یہ کہ جاپان کے خلاف جنگ کو فیصلہ کن اور نیز فتح کی منزل تک پہونچانا۔ دوم حکومت کے ان مسائل سے نپٹنا جو ہندوستان کے لئے اہم ہیں۔ سوم یہ کہ ہندوستان کی سیاسی ترقی کا بندوبست کرنا جو بہت سے لوگوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ ہے۔ موجودہ تعطل کو جلد سے جلد حل کرنے کے لئے برطانیہ اور ہندوستان دونوں جگہ رائے عامہ کی جانب سے جو تاکید کی جا رہی ہے اس کے وزن کو اور اس کی مشکلات کو میں پوری طرح محسوس کرتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ وہ (ہندوستان) ایک طاقتور اور خوشحال ملک بن جائے اور اگر برطانیہ اس راستہ پر ہندوستان کے قدم جما دے تو یہ اس کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہوگا......

...... میں اس علم کے ساتھ ہندوستان جا رہا ہوں کہ برطانیہ کے تمام طبقے اور تمام جماعتیں اس خواہش میں پورے طور سے متحد ہیں کہ کامل آزادی کے لئے ہندوستان کی تمناؤں کی ہر ممکن امداد کی جائے۔"

اس موقع پر ہم چاہتے ہیں کہ ان توقعات کا اظہار کر دیا جائے جو باشندگان حیدرآباد کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہیں۔ اگرچہ اس کا بہت کم امکان ہے کہ ہماری خفیف آواز جدید وائسرائے کے کانوں تک پہونچ سکے تاہم ہمارا خیال ہے کہ جدید وائسرائے کی آمد سے جو توقعات پیدا ہو رہی ہیں ان کا اظہار کر کے یہ امید کریں کہ مقامی نمائندے ان خیالات کو جو اہل ملک کی خواہشات کا عکس ہیں وائسرائے بہادر تک پہونچا دیں گے۔

اگرچہ بادی النظر میں حیدرآباد کے ہندو اور مسلمان بعض امور میں اختلافات رکھتے ہیں نیز ملک کے مختلف طبقوں کے مفادات بعض صورتوں میں ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک کا ہر فرد فکر کرنے والا فرد عام اس سے کہ وہ ہندو ہو یا مسلمان غریب ہو یا امیر ملکی ہو یا غیر ملکی دل سے یہ چاہتا ہے کہ حیدرآباد برطانوی "اقتدار اعلیٰ" کے "مشوروں" سے آزاد اور بے نیاز ہو جائے۔ ہر حیدرآبادی کی یہ تمنا ہے کہ اس کے وطن عزیز کے سیاسی امور کا تصفیہ خود ملک کے اندر اور بیرونی عناصر کی مداخلت کے بغیر ہو سکے۔ ضرورت ہے کہ لارڈ ویول حیدرآبادیوں کے اس جذبہ کو سمجھیں اور اس کی قدر کریں۔

حیدرآباد داخلی آزادی کا مدعی اور مستحق ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ ہندوستان کی حکومت یا حکومتوں سے اس کے سیاسی اور معاشی تعلقات کن امور پر مبنی ہوں گے ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو خود حیدرآبادی طے کرنا چاہتا ہے۔ حکومت سرکار عالی نے اس امر کا اعلان کر دیا ہے کہ بعد ختم جنگ وہ ہندوستان کو فیڈریشن یا وفاقی درجہ دے سکتی ہے لیکن دیسی ریاستوں کو اس کی اجازت ہرگز عطا نہیں ہوتی کہ ان عناصر سے میل ملاپ یا تبادلہ خیالات کریں جو ہندوستان کی قائم ہونے والی نوآبادیاتی یا وفاقی حکومت کے اجزائے ترکیبی ہوں گے اگر یہی صورت حال رہی تو ریاست ہند کو اچانک ایک ایسی حکومت سے سابقہ پڑے گا جس کے کارکنوں سے ریاستوں کو صرف دوری کا واسطہ رہا ہے یہ صورت بہت زیادہ خوش آئند نہیں ہے۔

یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ سر اسٹافورڈ کرپس کی پیشکش میں ریاستوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو ہندوستانی یونین میں شریک ہو سکتی ہیں یا اس سے الگ رہ سکتی ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو تھوڑی بہت سیاسی بصیرت رکھتے ہیں یہ جانتے ہیں کہ یہ اختیار ایک بے معنی سی بات ہے۔ ریاستیں خواہ یونین میں شریک ہوں یا نہ ہوں ان کے لئے ہندوستانی حکومت یا حکومتوں کے قوانین اور عام حکمت عملی کے اثرات سے محفوظ رہنا ممکن نہیں۔ جب یہ صورت ہے تو ہندوستانی یونین میں ریاستوں کا ترجیح نہ ہونا سراسر غلطی ہوگی مگر دوسری طرف شرکت کے شرائط اور ریاستوں کے سیاسی و معاشی حقوق کے تحفظ کا بھی سوال ہے۔ ان گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ریاستوں کو کم از کم اتنی آزادی ضرور ملنی چاہئے کہ وہ مستقبل کے مسائل، امکانات اور خطرات کا جائزہ لینے کے لئے ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں سے تبادلہ خیالات کر سکیں۔ ہم نے اپنی ایک گزشتہ اشاعت میں لکھا تھا کہ ریاستوں کے وزراء کی کمیٹی اس مقصد کے لئے کارآمد ثابت ہوگی۔ ہم اپنی اس تجویز کا اعادہ کرتے ہوئے نواب صدر اعظم بہادر سے درخواست کرتے ہیں کہ ان دستوری مسائل پر عاجلانہ توجہ فرمائیں۔ آج اس تجویز کو دہرانے کی ضرورت اس لئے لاحق ہو رہی ہے کہ جدید وائسرائے کی آمد سے ہندوستان کے سیاسی تعطل میں حرکت کے آثار نمودار ہو رہے ہیں اور دوسری طرف اتحادیوں کی کامیابی کی گھڑی قریب سے قریب تر آ رہی ہے۔ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے قائدین سیاسی تعطل کو دور کرنے کے لئے جو تجاویز آئے دن پیش کر رہے ہیں ان میں ریاستوں کا کہیں ذکر نہیں۔ برطانوی ہند کی یہ روش اس قابل نہیں کہ نظر انداز کر دی جائے۔ ان حالات میں ریاستوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اپنے مستقبل سے متعلق غور و فکر کریں۔ اور یہی وقت ہے کہ عظیم مابعد جنگ کے منصوبوں کی طرح سیاسی گتھیوں کو سلجھانے کے منصوبے بھی ابھی سے تیار کر لئے جائیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر ریاستی جماعت بھی دستوری اہمیت کے سوال ہیں۔

یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دستوری مسائل کو کم از کم وہی اہمیت دی جانی چاہئے جس طرح تعلیم، مابعد جنگ کے لئے کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا ہے اور ہندوستان کے ہر صوبہ میں اس محکمہ کے لئے دلچسپی...

اسی طرح دستوری مسائل اور ان مسائل کی متبادل صورتوں پر غور و فکر کرنے کے لئے قانون اور دستور کے ماہرین سے مشورے کرنا اور مختلف ریاستوں کے وزراء کا باہمی تبادلہ خیالات کرنا حیطۂ عمل سے باہر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نئی دہلی سے ایسی جو اطلاعیں ملی ہیں وہ زیادہ وسکون آفریں نہیں ہیں۔ ضرورت ہے کہ حیدرآباد کے ہندو اور مسلمان، غریب اور امیر یک زبان ہوکر اس اتحاد اور مطالبہ کا اعادہ کریں کہ فرقہ وارانہ مسائل میں ان کے اختلافات خواہ کچھ ہی ہوں مگر حیدرآباد کے مستقبل سے متعلق ان کی یہ ضرور کوشش رہے گی کہ مملکت آصفیہ ایک آزاد اور باوقار ریاستی وحدت کی حیثیت سے اپنے مسائل کو آپ سلجھانے کا موقف اقتدار رکھے اور حیدرآباد کی معاشی ترقی کی راہ میں کوئی امر مانع نہ ہوسکے۔

مسٹر ایمری وزیر ہند نے اپنی ایک تقریر میں ہندوستانیوں کو اس امر کی دعوت دی تھی کہ وہ حکومتوں کے مختلف دساتیر کا بہ نظر غائر مطالعہ کرکے اس امر پر غور کریں کہ ہندوستان کے مخصوص حالات کے لحاظ سے کونسا دستور موزوں ہوگا۔ مسٹر ایمری کی یہ دعوت عام تھی اور ریاستوں کے باشندے بھی اس اجازت سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ غور و فکر کی اس دنیا میں بیرونی کی مداخلت کارگر نہیں ہوسکتی۔

آنریبل مسٹر گرگسن کی تصریحات

گذشتہ ہفتہ ایک صحافتی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے آنریبل مسٹر گرگسن نے حکومت کی غذائی پالیسی کا جو اعلان فرمایا ہے اس کے اہم اجزاء یہ ہیں۔

(۱) اہم اجناس خوردنی کی قیمتوں کا تعین اور ان پر نگرانی قائم کی جائے گی۔

(۲) ذخیرہ بندی اور نفع اندوزی کے انسداد کے لئے دستور العمل نافذ ہوگا۔

(۳) اگر تاجران غلہ حکومت کی پالیسی کو بے اثر کرنے کے لئے مقررہ قیمتوں پر غلہ فروخت کرنے سے انکار کریں تو حکومت اپنے ذخائر بازار میں لائے گی۔

(۴) ہر تھوک فروش اور چلر فروش اور بڑے کاشتکار کو غلہ فروخت کرنے کے لئے اجازت نامہ حاصل کرنا پڑے گا۔

(۵) ناجائز برآمد کے سدباب کے لئے تدابیر اختیار کی جارہی ہیں۔

(۶) بڑے شہروں میں راشن بندی کی جائے گی۔

(۷) فاضل پیداوار برآمد کی جائے گی۔

ہم بجز آخر الذکر دو امور کے اس اعلان سے بحیثیت مجموعی متفق ہیں اور حکومت کے اس اعلان کو ایک مستحسن اقدام سمجھتے ہیں۔ فاضل پیداوار کی برآمد سے پہلے مختلف طبقوں کی ضروریات کا تعین ہونا چاہئے۔ ملک کے مختلف طبقے اپنے مذاق اور مزاج کے اعتبار سے مختلف اجناس خوردنی استعمال کرتے ہیں۔ حکومت کا پہلا فرض یہ معلوم کرنا ہے کہ آبادی کا کتنا حصہ کس قسم کے اجناس استعمال کرتا ہے اور اس کی سالانہ ضروریات کیا ہیں۔ جو لوگ چاول کھانے کے عادی ہیں اگر انہیں باجرہ کھانا پڑے تو یقیناً وہ مختلف امراض کا شکار بن جائیں گے۔

جب ایک بار ملک کی غذائی ضروریات کا تعین ہو جائے تو اس امر کا تصفیہ مشکل نہ ہوگا کہ آیا حیدرآباد اپنی غذائی ضروریات کے اعتبار سے فاضل پیداوار کا ملک ہے، خود مکتفی ہے یا خسارہ کا ملک ہے۔

غذائی کمیٹی کے حالیہ اجلاس میں مولوی بہادر خان صاحب نے جو مطالبہ کیا تھا اس کا مفہوم یہی ہوسکتا ہے کہ حکومت اس نوعیت کا مواد عوام کے نمائندوں کے سامنے رکھے کہ وہ یہ متعین کرسکیں کہ ملک کی ضروریات کی تکمیل کے بعد بھی حیدرآباد اپنے ضرورت مند ہمسایوں کی امداد کرسکتا ہے۔ مولوی بہادر خان صاحب، مسٹر رنگ راؤ ورتی اور دیگر صاحب کے متفقہ مطالبہ میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو ناقابل عمل یا نامناسب کہا جاسکے۔ پبلک کارکنوں کا منشا صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اپنی پالیسی کے تعین یا عملی اقدام سے پہلے عوام کے نمائندوں کو پورے اعتماد میں لے کر انہیں اظہار رائے کا پورا موقع دے۔ پبلک کارکنوں کو یہ اندیشہ ہوسکتا ہے کہ حکومت بجائے ان سے مشورہ کرنے کے انہیں صرف اپنے فیصلوں سے مطلع کرتی رہے گی۔ یہ اندیشہ اپنے اندر کچھ وزن بھی رکھتا ہے۔ اگر حکومت پبلک کے نمائندوں کو یہ اطمینان دلادے کہ وہ پالیسی کے تعین یا اجناس کی برآمد سے قبل ان سے مشورہ کرے گی اور ان کی طمانیت حاصل کرے گی تو ہمیں یقین ہے کہ پبلک کارکن غذائی کمیٹی میں شریک ہوکر اشتراک عمل کریں گے۔ مولوی بہادر خان صاحب نے اس جلسہ میں یہ واضح کردیا تھا کہ عوام کے نمائندے حکومت کی مشنری پر قبضہ جمانا یا حکومت پر اپنے احکام چلانا نہیں چاہتے بلکہ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اغذیہ کے مسئلہ میں ہر اقدام ان کے مشورے سے ہو۔ یہ مطالبہ ہر حیثیت سے حق بجانب ہے۔

ہمیں آنریبل مسٹر گرگسن کی اس رائے سے اتفاق نہیں کہ حیدرآباد برآمد کرنے والا ملک رہا ہے۔ حیدرآباد کی برآمد محض عارضی اور موسمی برآمد رہی ہے۔ مثلاً ایک مہینے میں ہم نے جوار برآمد کی تو دوسرے یا تیسرے مہینے جوار درآمد بھی کی۔ جب تک درآمدات کی روشنی میں برآمدات کے اعداد کو جانچا نہ جائے اس امر کا صحیح فیصلہ نہیں ہوسکتا کہ حیدرآباد غلہ برآمد کرنے والا ملک ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ باجرہ کی پیداوار فاضل ہوئی ہے لیکن چاول، گیہوں، شکر وغیرہ کی درآمد کے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ اس اعتبار سے یہ کہنا درست نہیں کہ حیدرآباد بحیثیت مجموعی فاضل پیداوار کا ملک ہے۔

جہاں ایک طرف خود یہ امر بحث طلب ہوگیا کہ حیدرآباد برآمد کی سکت رکھتا ہے یا نہیں اور دوسری طرف حکومت درآمدات کے متعلق سکوت کی پالیسی اختیار کرنے پر مجبور ہو تو کیا پبلک کارکنوں کا غذائی کمیٹی میں شرکت کرنے میں تامل کرنا بے جا یا وقتی پر محمول کیا جاسکتا ہے؟ مثال کے طور پر اگر غذائی کمیٹی کو یہ اطلاع دی جائے کہ حکومت سرکار عالی نے حکومت ہند سے یہ وعدہ کرلیا ہے کہ وہ اجناس کی ایک خاص مقدار برآمد کرے گی تو پبلک کارکنوں کا یہ ادعا درست ہوگا کہ ایسی صورت میں غذائی کمیٹی کا قیام لاحاصل ہے۔ ہم دوبارہ یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ حکومت اور پبلک کے نمائندوں میں تعاون عمل نہایت ضروری ہے اور اس تعاون کی ایک ہی صورت ہے کہ حکومت اپنے ہر فیصلے اور اقدام سے قبل مکمل مواد کے ساتھ پبلک کارکنوں سے مشورہ کرے اور غذائی کمیٹی میں محض فیصلے نہ سنائے جائیں۔ اور پبلک کارکنوں کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کے ان وعدوں کا احترام کریں جو حالات ملک کا صحیح جائزہ لینے کے بعد کئے گئے ہوں۔

راشن بندی سے متعلق اس خیال میں ضرور کچھ وزن ہے کہ چند شہروں میں راشن بندی پورے ملک میں اغذیہ کی منصفانہ تقسیم کے مترادف نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ راشن بندی اسی صورت میں کامیاب ہوسکتی ہے جبکہ اس اسکیم کے کارکن اور عمال مخلص اور خدمت خلق کے جذبہ کے حامل ہوں۔ افسوس ہے کہ حیدرآباد میں یہ صفات کمیاب ہیں۔ اسی لئے ملک کے غریبوں اور شریفوں کو تشویش ہورہی ہے۔ اگر حکومت نے راشن بندی کو نافذ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تو عوام کو چاہئے کہ حکومت کو آزمائشی طور پر چند ماہ کے لئے اپنی اسکیم نافذ کرنے کا موقع دیں اور اس آزمائشی دور میں پورا تعاون عمل کریں۔ اگر بدعنوانیاں نمودار ہوں تو احتجاج کا صحیح وقت وہی ہوگا۔ اس وقت پیشتر کہ آزمائش یا تجربہ ہو تنقید نامناسب ہے۔

مابعد جنگ تنظیم کے مسائل

از

سردار کے ایم پانیکر

(۲)

اس مسئلہ میں ایک دوسرا عنصر ادائی تاوان ہے جو شکست خوردہ ممالک پر عائد کیا جائے گا۔ مثلاً اگر جاپان پر تاوان عائد کیا جائے تو وہ اپنی مصنوعات کی برآمد کے ذریعہ ہی تاوان ادا کر سکے گا۔ ہندوستان کے بازاروں پر سستے جاپانی مال کی یورش ہوگی۔

اس کے علاوہ ان سائنٹفک تغیرات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو دوران جنگ میں عمل میں آئے ہیں۔ جرمنی اور جاپان حتیٰ کہ متحدہ نے بھی ربر کا بدل ایجاد کیا ہے۔ امریکہ، جرمنی اور روس سستے آہن بر استعمال کر رہے ہیں۔ جاپان اپنے مقبوضہ علاقوں میں وسیع پیمانہ پر روئی کی کاشت کر رہا ہے جس کے باعث ہماری صنعتی زندگی میں بڑی تبدیلی رونما ہوگی۔

مندرجہ بالا بحث سے صرف ایک نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ اگر ہندوستان کی معاشی زندگی کے لئے منظم لائحہ عمل مرتب کرنا ہے تو اس کے لئے زراعت کی اصلاح ضروری ہے۔ اس سے دو مقصد حاصل ہوں گے ایک تو ہندوستان اغذیہ کی حد تک خود مکتفی ہو جائے گا اور دوسرے کاشتکاروں کی قوت خرید میں اضافہ ہوگا۔ زرعی پیداوار میں اضافہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ سائنٹفک طریقے اختیار کئے جائیں۔ کیمیاوی کھاد تیار کی جائے، برقی قوت فراہم کی جائے اور وہ سارے طریقے اختیار کئے جائیں جو دوسرے ممالک میں کامیاب ثابت ہو چکے ہیں۔ بہتر غذا، بہتر حالات زندگی اور سماجی مسائل کا حل زرعی پیداوار کے اضافہ پر منحصر ہے۔

مابعد جنگ تنظیم میں پہلا مسئلہ زرعی تنظیم کا ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جو قومی زندگی کے ہر پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ قبضہ اراضی پیداوار کی نکاسی، مویشی، ابیت سماجی اور تعلیم وغیرہ۔ ہندوستان میں زرعی تنظیم کے معنے اراضی کے قبضہ و ملکیت میں ایک اہم تبدیلی کے ہیں جس میں اس لعنتی زمینداری کو ختم کرنا پڑے گا جو کاشتکاروں پر مسلط ہے۔ صوبہ متحدہ، بنگال، بہار، اڑیسہ اور مدراس کے بعض اضلاع میں یہ مطلوبہ تبدیلی جس سے اراضی کی ملکیت میں تبدیلی ہو کسان کی ضرورت سے بیحد ضروری زمینداروں کو مناسب معاوضہ دے کر اٹھایا جائے یہ پہلا قدم ہوگا۔ زرعی تنظیم جدید کو ایک وسیع پیمانہ پر صنعتی ہونا چاہئے۔ قرضہ کی اصلاح یافتہ صورتیں اور ان صنعتوں کے لئے جو زراعت پر مبنی ہیں مستقل قوت برقی کی فراہمی، کاشتکاروں کی صحت اور معیار زندگی میں اصلاح اور بہتر مویشیوں کی فراہمی زرعی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

زرعی تنظیم کے سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ تحقیقاتی ادارے قائم کرنے کا ہے جن میں زمین کے نقائص شورہ یا کیڑا، فصلوں کے امراض کی تحقیقات عمل میں لائی جائیں اور کاشت کے مختلف طریقوں سے متعلق نیز تخم کے اقسام پر تجربے کئے جائیں۔

ہندوستان کے ذرائع آب پاشی کی افادیت سے متعلق تحقیقات ضروری ہے تاکہ زراعت کی موجودہ بنیاد کو جو اس وقت موسم باراں پر منحصر ہے بدلا جا سکے۔ انڈس کی تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ میں اس واقعہ کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ خود پنجاب میں جہاں آب پاشی کے ذرائع سارے ہندوستانی صوبوں سے زیادہ ہیں دریائے انڈس کا پانی بہت ضائع کیا جاتا ہے اور اراضی کے بڑے رقبے تھوڑا سیم کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہندوستان کی مابعد جنگ تنظیم میں دوسرا اہم مسئلہ صنعتوں کا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے یہ مسئلہ بہت سے مسائل کے حل پر منحصر ہے جیسے کرنسی، معیار زر، بین الاقوامی تجارت میں موافقات۔ ان مسائل کے تصفیہ میں ہندوستان کی کوئی آواز نہیں۔ مابعد جنگ کرنسی سے متعلق انگلستان اور امریکہ میں جو بحث ہو رہی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت کو کن دانشا پر غالب آنا ہے۔ ایسے مسائل سے قطع نظر کر کے اور یہ فرض کر کے عام حالات عود کر آئیں گے اگر ہندوستان کو صنعتی ترقی کرنا ہے تو اس کے قائدین کو چاہئے ابھی سے اچھے اصولوں پر ایک لائحہ عمل مرتب کر لیں۔

لیکن صنعتی لائحہ عمل کو بین الاقوامی تجارت سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے وہ دنیا کے بازاروں میں مسابقت کے لئے تیار نہیں ہے۔ اہم ضرورتیں جیسے قومی جہاز، بینک کاری، بیرونی منڈیوں سے حصول اطلاعات کے ذرائع اور حمل و نقل کی سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ ہندوستان کی صنعتوں کو پیچھے پاؤں پر کھڑے رہنے کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے۔

صنعتی تنظیم کا اہم اصول یہ ہے کہ مرکزی حکومت لائحہ عمل مرتب کرے اور صوبہ واری حکومتیں اس کو روبہ عمل لائیں۔ اس وقت صنعت و حرفت صوبہ واری ابواب میں داخل ہیں۔ صوبہ واری حکومتوں کے اس دائرے میں مداخلت پسند نہیں کی جائے گی۔ اس خصوص میں چین نے جو کچھ کیا وہ ہمارے لئے ایک مفید رہنما بن سکتا ہے۔ ۱۹۳۴ء میں حکومت چین کے احکام کے تحت ایک فینانس کارپوریشن قائم ہوا تھا جو چین کی صنعتی ترقی کے لئے چار سرکاری بنکوں نے روپیہ فراہم کیا۔ اس کارپوریشن کے ساتھ قومی وسائل کا کمیشن بھی قائم کیا گیا جو بڑی صنعتوں کے قیام میں مصروف ہے۔ ایک اور نمونہ جس سے بہت مدد مل سکتی ہے وہ صنعتی انجمن ہائے اتحادی ہیں۔ چین کی اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ انجمن ہائے اتحادی کے اصول پر سارے چین میں چھوٹی چھوٹی صنعتوں کا جال پھیلایا جائے اور مصنوعات کی تیاری میں مقامی پیداوار خام استعمال کرنا ہے۔ یہ لائحہ عمل سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں سے محفوظ ہے۔ اس کے تحت صنعتوں کو شہری علاقوں میں قائم کیا نہیں جاتا تاکہ مزدوروں کی محنت کا منافع چند ہاتھوں میں نہ چلا جائے۔ دوران جنگ میں اس تحریک کو جو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ آئندہ ترقی کے لئے رہنمائی کرتی ہے۔

یہاں مزید دو امور قابل غور ہیں۔ جب تک موجودہ صنعتوں کی پیمائش نہ کی جائے، جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ان میں کیا خامیاں اور کیا صلاحیتیں ہیں۔ مستقبل کے لئے یقین کے ساتھ لائحہ عمل مرتب کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے موجودہ صنعتوں کی حالت، ان کی وسعت پذیری کی صلاحیت کی تحقیقات پہلا قدم ہونا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ صحیح اعداد و شمار کی اہمیت کو نظر انداز کرنا چاہئے۔ اب تک حکومت اور کارخانہ داروں نے اعداد و شمار کو اہمیت نہیں دی۔ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ سائنٹفک اعداد کی فراہمی منظم معاشیات کی بنیاد ہے۔

سماجی تنظیم کا کام جو ہمیں جنگ کے بعد شروع کرنا پڑے گا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے کئی پہلو ہیں۔ جنگ کی وجہ سے سماجی تحریکات کو ساری دنیا میں بڑی تقویت حاصل ہوئی ہے۔ انگلستان میں بیورج کی رپورٹ اور امریکہ میں سماجی تحفظ کی تجاویز اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ یوروپین ممالک کی ترقی یافتہ سماجی تنظیم کے مسائل مختلف ہیں لیکن اصل مسئلہ ایک ہی ہے یعنی عوام کے تمام طبقوں میں معاشی اور سماجی مساوات پیدا کرنا اور باہمی تعلقات کو اس طرح منظم کرنا جو ساری قوم کے لئے مفید اور تمام طبقوں کے لئے قابل قبول ہو۔ ہندوستان میں یہ مسئلہ ایک دوسری صورت اختیار کرتا ہے کیونکہ مرتبہ مذہب کے نئے جیسے ہماری سماجی زیست کی اصلاح ضروری ہے۔ جنگ کی وجہ سے قوت میں مختلف طبقوں کو میل جول، نئی سماجی قوتوں کی تخلیق اور ہماری معاشی زندگی کے تغیرات نے سماجی اصلاح کی رفتار کو تیز کر دیا ہے۔ مابعد جنگ تنظیم کا جو پروگرام بھی مرتب ہو سب سے اہم کام ذات پات کو ختم کرنا اس کا ایک اہم جزو ہونا چاہئے

بقیہ صفحہ

دریائے کرشنا پر ایک عظیم الشان پل کی تعمیر

رائچور کو دیگر اقطاع ممالک محروسہ سرکار سے سڑک کے ذریعہ مربوط کردیا گیا

شہزادہ جواد جاہ مرحوم کی ایک مفید عام یادگار

دریائے کرشنا کا پل جس کا نام شہزادہ جواد جاہ مرحوم کے نام پر سمراط جودی رکھا گیا ہے ۱۳۲۸۵۰۰۰ روپے کے مصارف سے تعمیر ہوا ہے۔

ضلع رائچور اب تک دوسرے اضلاع سے منقطع تھا لیکن اب اس پل نے اسے ممالک محروسہ کے تمام حصوں سے مربوط کردیا ہے اور اس کی وجہ سے اضلاع رائچور اور محبوب نگر کی معاشی حالت کو بہتر بنانے میں بڑی مدد ملے گی۔ جب ممالک محروسہ کے شمال میں پائن گنگا اور جنوب میں تنگبھدرا پر پل بن جائیں گے تو صراط جودی شمالی اور جنوبی ہندوستان کی بڑی سڑکوں کو مربوط کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس طرح تمام ہندوستان کی ترقی میں بھی یہ پل نمایاں حصہ لے سکے گا۔

یہ پل حیدرآباد سے رائچور جانے والی سڑک کے ایک سو بارہویں میل پر موضع دیوسگور کے قریب جی۔آئی۔پی ریلوے کے پل اور رائچور کے ذخیرۂ آب کے درمیان واقع ہے اور کلیتہً پتھر کا بنا ہوا ہے۔ اس پل میں ۲۵ محرابیں ہیں۔ اس کی کونیوں کا فاصلہ ۶۰ فیٹ ہے اور اس کے ستون اوسطاً ۲۰۵ ء ۴ فیٹ بلند ہیں۔ دونوں ڈرخت کے جوڑوں کے درمیان ۵ ء ۲۲۰۰ فیٹ کا فاصلہ ہے۔ دریا کا اوپری سرا دریا کی سطح سے تقریباً ۶۰ فیٹ بلند ہے جس پر ۲۰ فیٹ چوڑی سمنٹ کی سڑک بنی ہوئی ہے جو دونوں آمدورفت کے لئے کافی ہے۔ پل کے دونوں جانب ۵۵۰۰ مربع میل رقبہ کا پانی دریا میں آتا ہے اور اس میں سے پانی گزرنے کی انتہائی مقدار ۹۹۲۵۰۰ کیوزک ہے۔ جب دریا میں پانی بہت بھر جائے گا تو تمام ستون تقریباً ۵ ء ۴ فیٹ گہرے پانی میں ڈوب جائیں گے یعنی ان کے اوپر ۴ فیٹ پانی محرابوں میں سے بھی گزرنے لگے گا۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں اب تک جتنے پل بنے ہیں ان میں کرشنا کا یہ پل سب سے بڑا ہے اور پانی کے بہاؤ کے لئے عائد شدہ مصارف کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر سب سے کم لاگت آئی ہے۔ اس پل کی تعمیر کا کام بہمن [illegible] ف میں شروع کیا گیا تھا اور بہشت [illegible] ف میں مکمل ہوا۔

یہ پل ممالک محروسہ کے مشہور معماری پتھر سے بنایا گیا ہے اور اس کی تعمیر میں مقامی مزدوروں سے ہی کام لیا گیا ہے۔

صراط جودی جس پتھر سے بنایا گیا ہے وہ اسی علاقے میں نکلتا ہے اور اس طرح پل اور سرزمین کے منظر میں ایک یکسانی سی نظر آتی ہے۔ یہ پل قحط زدہ علاقے میں بنایا گیا ہے اور جب یہ بن رہا تھا تو گرد و نواح کے مواضعات کے لئے اس اعتبار سے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا کہ اس کی وجہ سے چھ سات لاکھ آدمیوں کو روزگار مل گیا۔

حالات نلگنڈہ ۔ ڈنڈی پراجکٹ

نلگنڈہ۔ کافی تاخیر ہو جانے کے باوجود گزشتہ ماہ کے آخر وقت میں جو بارش ہوئی اس کی وجہ سے اس ضلع کی فصلوں میں نئی جان آگئی۔ چنانچہ خریف اور آبی دونوں فصلیں اچھی حالت میں ہیں۔ چارہ کی قلت کا مسئلہ بھی حل ہوگیا ہے اور جنگلوں میں ہری ہری گھاس بکثرت موجود ہے۔ بروقت بارش ہو جانے کی وجہ سے نہ صرف موجودہ فصلوں کی حالت بہتر ہوگئی ہے بلکہ ربیع اور آبی فصلوں کے لئے بھی امید افزا حالات پیدا ہوگئے ہیں۔

اس ضلع سے اجناس خوردنی کی برآمد مسدود کردی گئی ہے اور غلہ کے موجودہ ذخائر آئندہ فصل کی پیداوار دستیاب ہونے تک ضروریات کے لئے کافی سمجھے جاتے ہیں۔

بعض حصوں میں فصل ربیع کو نقصان پہونچنے کی وجہ سے ربیع کی لگان داری میں ۵۰ فیصد تا آئندہ کی منظوری کی گئی ہے جن کی مجموعی مقدار (۲۲) لاکھ روپے سے زیادہ ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

تعلقہ نلگنڈہ	۰۰۰ ۲۵ روپے
تعلقہ مریال گوڑہ	۴۳۰۹۵ "
تعلقہ دیورکنڈہ	۴۶۰۹۲ "
تعلقہ حضور نگر	۴۱۴۴۳ "

ممالک محروسہ کے دوسرے اضلاع کی طرح ضلع نلگنڈہ میں بھی زیادہ غلہ اگانے کی مہم کو ترقی دیجارہی ہے۔ حال ہی میں مستقر ضلع میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا تھا جس میں رعایا کو اس مہم کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ کیا گیا۔ تمام افتادہ اراضیوں کو زیر کاشت لانے کے متعلق تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں اور توقع ہے کہ آئندہ فصل کی تیاری پر اجناس خوردنی کی کافی مقدار حاصل ہوسکے گی۔

پرہپوک اور دیورچ کھانڈ دراضیات خصوصی ضوابط لاونی کے تحت پست اقوام کے افراد کو پٹہ پر دیجارہی ہیں جس کی وجہ سے پست اقوام میں بے روزگاری بتدریج کم ہورہی ہے۔

ڈنڈی پراجکٹ آبپاشی تعلقہ دیورکنڈہ میں (۳۵۰۳۰۰۰) روپے کے صرفہ سے تعمیر کیا گیا ہے اور اس کے ذریعے (۲۹۰۰۰) ایکڑ اراضی سیراب ہونے کی توقع ہے۔ حالیہ بارش کی وجہ سے اس میں کافی پانی جمع ہوگیا ہے اور فی الحال اس ذخیرہ سے (۱۱۲۴۳) ایکڑ اراضی سیراب کرنے کے لئے پانی دیا جانے لگا اور اس اراضی پر ربیع اور آبی فصلوں کی کاشت ہوگئی ہے۔ چونکہ اس پراجکٹ کے ذریعے آبپاشی کا یہ پہلا سال ہے اس لئے صرف تشخیص دہارا عائد کیا جائے گا۔

جہاں تک کہ صحت عامہ کا تعلق ہے محکمۂ متعلقہ نے ہیضہ کی روک تھام کرنے کے لئے موثر تدابیر اختیار کی ہیں جو کچھ عرصہ سے سارے ضلع میں پھیلا ہوا تھا۔ گزشتہ ماہ کے اختتام تک (۹۰۱۱۸) ٹیکے لگائے گئے اور تقریباً (۲۰۰۰۰) کنویں صاف کئے گئے۔ جملہ (۳۰۴۱) اشخاص مبتلا ہوئے جن میں سے (۱۵۲۹) فوت ہوگئے۔

ڈنڈی اور پنڈی پاکلاپر وغیرہ کے علاقوں میں میرپاٹے متاثر بعض مواضعات میں جو انسدادی مہم شروع کی گئی تھی وہ مشترکہ بہت کامیاب رہی۔ اس مہم کے تحت ۱۰۰ فیصد مواضعات میں طبی حالت تحت مندرج دی گئی۔

۱۳۶۰ف میں اس ضلع کے محکمۂ کلکٹری نے عمارتوں کی تعمیر اور نگہداشت پر علی الترتیب (۲۰۲۲۰) روپے اور (۳۳۸۹۳) روپے صرف کئے۔ دور افتادہ علاقوں میں پینے کا پانی فراہم کرنے کے لئے کنویں بنانے پر بھی (۴۶۱۱۸) روپے صرف کئے گئے۔

ضلع نلگنڈہ میں (۶۲۳) مندر (۵۵) مسجدیں اور (۸) گرجے ہیں۔ بڑے تالاب (۱۳۳۶) اور چھوٹے تالاب (۳۰۳۳) ہیں۔ کنوؤں کی مجموعی تعداد (۲۰۲۲۲) ہے۔ شفاخانے (۱۰) ہیں اور شفاخانے (۹) ہیں۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

ایک استفسار ——

راشن بندی کے نفاذ کے بعد گداگروں کا کیا حشر ہوگا؟

جواب ——

جو مسئلہ قانون انسداد گداگری کے نفاذ کے باوجود حل نہ ہوسکا وہ اب خود بخود حل ہوجائے گا۔ بھوک کی شدت سارے گداگروں کو پولیس کی دست اندازی کے بغیر بیت المعذورین پہونچا دے گی۔

مسٹر گری امیرنی راشن بندی نے گذشتہ کل ہند غذائی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ راشن بندی کی اسکیم کو نافذ کرنے کے اخراجات فی کس تخمیناً ایک پیسہ سالانہ ہوں گے۔ اس لحاظ سے شہر حیدرآباد میں اسکیم راشن بندی کے نفاذ کا سالانہ خرچ زیادہ سے زیادہ سات لاکھ ہوسکتا ہے۔ اگر ورنگل اور اورنگ آباد، گلبرگہ اور دوسرے بڑے شہروں کو بھی شامل کرلیا جائے تو جملہ اخراجات سالانہ دس لاکھ سے زائد نہ ہونے چاہئیں۔

مسٹر ٹل زن گپتا ہوشیار باش

اس خبر میں کوئی اصلیت نہیں کہ سیٹھ لکشمی نواس گنیری وال اور سیٹھ بنکٹ لال پدوکا نے ذخیرہ بندی اور نفع اندوزی کے انسدادی قوانین کی اجرائی کے خلاف مشترکہ اور متحدہ احتجاج کیا ہے۔

نمائش مصنوعات ملکی میں محکمہ جات رسد اور راشن بندی نے بھی دو اسٹال اپنے لئے مخصوص کرائے ہیں (ایک غیر مصدقہ خبر) گویا اجناس خوردنی اب صرف نمائش اور وہ بھی برغرض نمائش رکھے جائیں گے!

راشن بندی کے سلسلہ میں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ سیندھی اور شراب کی بھی راشن بندی کیوں نہ شروع کی جائے؟

کیا انجمن ترک مسکرات کے صدر نواب حسین یار جنگ بہادر اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں گے!

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کی اکثریت سیندھی کا استعمال زیادہ کرتی ہے یا اجناس خوردنی کا؟

تیسرا سوال یہ کہ اگر ترک مسکرات کی کاغذی مہم کامیاب ہوجائے تو کہیں محکمہ رسد کو دقتوں کا سامنا تو نہ ہوگا؟

ان مسائل کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن کے انعقاد کی ضرورت محسوس ہورہی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کمیشن اس نتیجہ پر پہونچے کہ انجمن ترک مسکرات کا بے عمل رہنا ہی بہتر ہے۔

غذائی کمیٹی کے اس اجلاس میں جو شاہ منزل میں منعقد ہوا تھا مولوی بہادر خان صاحب مسٹر نرسنگ راؤ قاضی عبدالغفار صاحب اور دیگر پبلک کارکن ہم خیال اور ہم زبان تھے۔ (ایک غیر مطبوعہ خبر)

مخالفین مشترکہ پلیٹ فارم کے لئے غور و فکر

اس خبر کو پڑھ کر کہ مولوی بہادر خان صاحب کی تائید مسٹر نرسنگ راؤ اور قاضی عبدالغفار صاحب نے کی عامۃ المسلمین آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں:۔

"قائد ملت ایسی تقریریں صرف شاہ منزل میں کیوں کرتے ہیں دارالسلام میں کیوں نہیں کرتے"

اس سوال کا جواب ہم دے سکتے ہیں مگر قائد ملت کی مروت غالب آرہی ہے۔

لندن سے رائٹر کا نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ:۔

ہندوستان کے ہائی کمشنر سر ایس رنگا ناتھن نے اپنی ایک نشری تقریر میں اس امر کا انکشاف کیا کہ فاقہ کشوں کے علاج کے لئے ہندوستان کو حیاتین کی گولیاں ہوائی جہاز سے بھیجنے کا انتظام کیا جارہا ہے۔

اگر حفظ ماتقدم کے طور پر سارے ناداروں کو یہ گولیاں کھلائی جائیں تو کیا مضائقہ ہے؟ اس مسئلہ میں کمیٹی ساہوکاران کی کیا رائے ہے؟

سیٹھ لکشمی نواس گنیری وال نے دکن کرانیکل میں ہماری تعمیر میں سماجی ناانصافی کس طرح دور کی جاسکتی ہے کے عنوان کے تحت ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"سنہ ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد کمرشل کارپوریشن ایک سرکاری ادارہ کی حیثیت سے وجود میں آیا تاکہ پبلک کے غریب طبقوں کے لئے سستا اناج مہیا کیا جائے۔ کاروباری طبقہ کو اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ لیکن صورت حال میں ابتری پیدا کرنے والی قوتوں پر غلبہ حاصل نہیں کیا گیا اور ہم جانتے ہیں کہ آج غذائی صورت حال کیا ہے۔"

مقام مسرت ہے کہ غذائی صورت حال کی ابتری میں ساہوکاروں اور بیوپاریوں کا کوئی دخل نہیں۔

سیٹھ صاحب موصوف نے اسی مضمون میں آگے چل کر تحریر کیا ہے کہ:۔

"حکومت کی طویل المیعاد پالیسی کا تعلق قومی تعمیر کی سرگرمیوں زرعی و صنعتی ذرائع حمل و نقل اور بعد جنگ تنظیم وغیرہ سے ہے۔ اصولی طور پر حکومت کی ان سرگرمیوں سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا لیکن ان معاملات میں زیادہ احتیاط اور دوراندیشی کی ضرورت ہے۔"

ہماری رائے میں ارباب حکومت کو چاہئے کہ "یہ احتیاط اور دوراندیشی" سیٹھ لکشمی نواس گنیری وال سے مستعار لیں۔

ہندوستان کی غذائی صورت حال پر تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر انور اقبال قریشی صدر شعبہ معاشیات جامعہ عثمانیہ نے اس پر زور دیا کہ ہندوستان کا اصل مسئلہ غذائی قلت کا نہیں بلکہ تقسیم کا ہے اور آپ نے یہ قرار دیا کہ ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جس کی ۹۰ فیصد آبادی دیہی رقبوں میں پھیلی ہوئی ہے یہ مسئلہ نگرانی نرخ اجناس اور راشن بندی سے حل نہیں ہوسکتا۔ لیکن صحیح تقسیم کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے اس کی کوئی معقول تدبیر صاحب موصوف نے نہیں بتائی۔ (رعیت)

جب معاشیات کی کتابوں ہی میں کوئی معقول تدبیر نہ ہو تو اس میں پروفیسروں کا کیا قصور؟

افواہیں گرم ہیں کہ مسائل جاگیرداران پر غور کرنے کے لئے تنظیم مابعد جنگ کی اسکیم کے تحت ایک ذیلی مجلس تشکیل دی جارہی ہے جس کے صدر اور معتمد خود نواب محمود یار جنگ بہادر ہوں گے اراکین میں مولوی آغا شیخ یاور علی صاحب، مولوی نصرت اللہ صاحب افسر تنظیم، مسٹر ایل۔ این۔ رنگا ریڈی اور کامریڈ [illegible] ایسوسی ایشن کے صدر کے نام لئے جارہے ہیں۔

[illegible]

عظیم تر حیدرآباد کی تشکیل میں جاگیرداروں کا حصہ

از جناب نواب دوست محمد خاں صاحب

نظام جاگیرداری اور لامتناہی مقدمہ بازی مترادف اصطلاحیں بن گئی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ قانون عطیات اور ضابطہ مدون نہیں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ مترتب ہو رہا ہے کہ ایک ہی مسئلہ کو مختلف مقدمات میں مختلف طریقہ سے طے کیا گیا ہے۔ جب تک مقدمہ بازی کی لعنت باقی رہے گی طبقۂ جاگیرداران سے کسی اچھے کام کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

ابھی تک اس امر کا تعین نہیں کیا گیا کہ ایک طرف حکومت سے اور دوسری طرف جاگیری رعایا سے ہمارے تعلقات کیا ہیں۔ اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ اختیارات اچھے یا برے کیا ہیں جو ہمیں حاصل ہیں۔ جاگیرداروں سے متعلق ہر چیز مبہم ہے ان کی ساری توانائیاں محکمۂ عطیات میں صرف ہو جاتی ہیں۔ ان کی آمدنی کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔

اگر حیدرآباد کے باشندے اور حکومت سرکارعالی یہ محسوس کرتی ہے جیسا کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ طبقۂ جاگیرداران فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم رکھنے اور ملک کی معاشی ترقی میں مفید ثابت ہو سکتا ہے تو ضرورت ہے کہ ممالک محروسہ سرکارعالی کی آئندہ سیاسی اور معاشی ہیئت میں ان کا مناسب مقام متعین کیا جائے۔ میں ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہوں گا کہ جاگیرداروں کے مستقبل کو اس مابعد جنگ تنظیم کا ایک جزو بنایا جائے جو حکومت کے پیش نظر ہے۔

میں رعایائے حیدرآباد کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ جاگیردار بحیثیت ایک طبقہ کے مملکت کی بہبودی چاہتے ہیں۔ مذہبی رواداری، ثقافتی ترقی اور معاشی نشوونما میں وہ شاندار آصف جاہی روایات کو برقرار رکھنے کے مستحق ہیں۔ جب ایک بار انہیں محکمۂ عطیات کی الجھنوں سے نجات مل جائے گی جبکہ ایک طرف حکومت سرکارعالی اور دوسری طرف جاگیری رعایا کے بالمقابل ان کی پوزیشن صاف طور پر متعین ہو جائے گی تو وہ یقیناً عظیم تر حیدرآباد کی تشکیل میں مناسب حصہ لے سکیں گے۔

مجھے مسرت ہے کہ ہز ایکسلنسی والیسرائے نے اپنی حالیہ تقریر میں جو ایوان رؤسا میں کی گئی تھی جاگیرداروں کو متعلقہ ریاستوں کا جزو لاینفک تسلیم کیا۔ ہے اور یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ جاگیردار اپنے رؤسا کو اپنی تمناؤں کا مرکز تصور کریں جہاں تک کہ حیدرآباد کے جاگیرداروں کا تعلق ہے انہوں نے ہمیشہ یہ اعلان کیا ہے کہ ذات شاہانہ ان کی تمناؤں کی مرکز ہے ذات شاہانہ ہی ہمارے مستقبل کو ہمارے ماضی کے شایان شان بنا سکتی ہے

(دکن کرانیکل دیوالی نمبر)

ہمارے مشاعرے

از جناب آفند ابراہیم"

مشاعرے سے دلچسپی پر ایک شخص یہ سوچنے کی طرف مائل ہوتا ہے کہ افلاطون نے بڑی دانائی کی کہ شاعروں کو اپنی "ری پبلک" (جمہوریہ) سے خارج رکھا۔ ہمارے مشاعرہ باز شاعر انسانیت کے بوسیدہ اور مردہ اعضا ہیں۔ وہ لوگ جو شاعروں کی ہر دل عزیزی کے شیدائی ہیں ممکن ہے کہ میرے ان الفاظ میں تنقید کی شدت محسوس کریں۔ لیکن واقعی امر یہ ہے کہ مشاعرے آل انڈیا ریڈیو سے کہیں زیادہ نقصان زبان کو پہنچا رہے ہیں۔

مشاعرہ ایک قسم کا شاعروں کا مقابلہ ہے جس میں متعدد شاعر جمع ہوتے ہیں اور اپنی غزلیں سناتے ہیں جو مقررہ وزن اور قافیے (طرح) میں ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی غیر طرحی مشاعرے بھی ہوتے ہیں۔ مشاعرے اکثر رات کے وقت ہوتے ہیں جن میں سامعین صحبت کا لطف اٹھانے اور موسیقی کے کرتبوں سے محظوظ ہونے کو بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ متشاعر اور اصلی شاعر دونوں کو یکساں داد ملتی ہے۔

بلند تخیل اور حسن ادا اعلیٰ شاعری کے اہم نشان ہیں اس سے اعادہ کوئی نظم جس میں قافیہ ہو شاعری نہیں کہی جا سکتی لیکن وہ شاعری کس قسم کی ہے جو ہمارے متشاعر مشاعرے کے چبوترے سے پیش کرتے ہیں؟ شاعری ہم کو انسانیت کی مشترک منزل مقصود کی طرف لے جاتی ہے۔ ہمارے شاعروں نے کس بات کو غرض و غایت قرار دیا ہے جس کے حصول کے پیچھے ہیں۔ وصل اور ہجر ان کے لابدی موضوع ہیں۔ ایک خیالی صورت ان کا لافانی مضمون ہے۔ اسی کی باتیں ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ ان کی غزل اور نظم کو "ہجا سون" کی شاعری کہہ سکتے ہیں۔

یہ متعدی مرض ہمارے نوجوانوں کو بھی لگ گیا ہے اور ہر احمق وہاں پہنچنا چاہتا ہے۔ جہاں فرشتے بھی قدم رکھتے ڈرتے ہیں۔ یہ ایک تخلص رکھ لیتے ہیں اور ایک فرضی معشوق کی یاد میں غزلیں اور نظمیں کہتے ہیں۔ مشاعرہ ان کے اس یقین کو راسخ کر دیتا ہے کہ عشق ان کا پیدائشی حق ہے اور تلاش محبوب ان کی زندگی کا فرض ہے۔

اس سے کسی کو انکار نہیں کہ مشاعرے نے اردو زبان کی بہت خدمت کی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے ہماری علم میں کیا ترقی کی اور قومی تعمیر میں کیا حصہ لیا۔ مشاعر سامعین کے نعرہ کے واہ واہ اور بہت خوب، کے نعروں پر آپے میں پھولے نہیں سماتے اور عوام کو محظوظ کرنے پر فن کے اصول اور شاعری کے جوہر کو قربان کرتے ہیں۔ عوام کے خوش کرنے کو عشقیہ نظمیں لکھنے اور خراب کلام سے داد لینے کا کیا فائدہ ہے اور سامعین کو ان باتوں سے کیا حاصل ہے جبکہ شاعر زندگی کے مفاد کی خدمت سے معذور ہے۔ مشاعرے میں ایک نئی بات یہ ہو گئی ہے کہ اسی کو داد ملتی ہے اور اسی کی واہ واہ ہوتی ہے جو سریلی آواز میں اپنے شعر کو گا کر سناتا ہے۔ یہ خرابی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اچھے شاعر بھی سامعین پر رنگ نہیں جما سکتے اس وجہ سے کہ وہ گاتے نہیں۔

کھیل، تماشہ، گانا اور ہنسی ٹھٹھا ایک قوم کی عظمت کو گرا دیتے ہیں اگر ہماری قوم کو ترقی کی منزل مقصود پر پہنچنا ہے تو ہمیں اور دوائین کی شاعری سے ہاتھ دھونا چاہئے اور تعمیری شاعری اختیار کرنی چاہئے۔ عشق مجازی کے دیوتا کو بھینٹ دینی لازم ہے ہر چیز جو ہماری تہذیب و معاشرت کے خلاف ہے اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے ورنہ اس سے قطع ہاتھ اٹھانا لازم ہے۔ کیونکہ وہ موجودہ صورت میں اردو زبان اور اس لئے ہماری کلچر کے حق میں خطرناک ہے اور شاعری کے بال و پر توڑ کر اسے محض ایک ہیولیٰ بنا دینے والا ہے (ہماری زبان)

بیورج اسکیم کے اہم اجزاء

از جناب احمد عبدالماجد صاحب

تین بنیادی اصول

سر ولیم بیوریج نے اپنی رپورٹ کے ابتدائی سماج فلاح و بہبود کے حصول کے لئے تین اہم بنیادی اصولوں کو بیان کیا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

سر ولیم کا خیال ہے کہ حال اور آئندہ کی ترقی کے لئے ماضی کے تجربات سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ پچھلا تجربہ ہمیں ایک حد تک آئندہ ترقی کے راستہ بتلاتا ہے۔ تجربات جو بھی ہوتے ہیں وہ موثر نتائج پیش کرتے ہیں اور ان نتائج سے خاص مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ میں وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ طبقہ واری امتیازات کو جہاں تک ہو سکے سلام کیا جائے سر ولیم کی زندگی کو خوشحال دیکھنے کی تمنا رکھتے ہیں۔

دوسری چیز سر ولیم یہ بیان کرتے ہیں کہ منظور شدہ یا مستقل انجمنوں کو ختم کر دینا چاہئے۔ اس کے برخلاف ٹریڈ یونین کو سب کمپنیوں کی بھلائی کے لئے کام کرنا چاہئے تاکہ حقیقی معنوں میں ان کی اصلاح ہو سکے سر ولیم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بیمہ اسکیم کو ایک بہت بڑے پیمانہ پر کام کرنا چاہئے اور وہ خانگی بیمہ کے خلاف ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ بیمہ کے لئے متحدہ کوششوں کی سخت ضرورت ہے جس کے لئے حکومت کی دستگیری ضروری ہے۔

تیسری چیز وہ یہ بیان کرتے ہیں سماجی فلاح و بہبود کے حصول کے لئے فرد اور مملکت کا تعاون بے حد ضروری ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی مسئلہ خواہ وہ سماجی ہو کہ معاشی اس وقت تک بہتر طریقے پر حل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ افراد کی تائید حکومت کو حاصل نہ ہو جائے۔ سماجی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں حکومت کی رہبری اس لئے ضروری ہے کہ حقیقی معنوں میں حکومت سے زیادہ موثر اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ سر ولیم لکھتے ہیں قومی تحفظ کے لئے ظلم و زیادتی کے بجائے حقیقی انصاف کا قیام ہو اور ہر قوم کو چاہئے کہ ظلم و زیادتی کو روا نہ رکھے اور انصاف پسندی سے کام لے۔ قومی تحفظ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ قوم کا ہر فرد اپنی ہمت اور استعداد کا لحاظ کرتے ہوئے کام میں مشغول ہو یا دوسرے معنوں میں قوم کے سارے کے سارے افراد مشغول بکار ہوں۔

یہ ہے کہ یہ کام بیداآوری ہوگا۔ افراد کو مشغول رکھنے کے لئے وہ ایک ہمہ گیر صنعتی اسکیم کو عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص کسی خاص وجہ سے کام کے قابل نہ ہو یا کچھ مدت تک کام نہ کر سکتا ہو تو اس کو بیمہ بیروزگاری کے فوائد سے متمتع ہونے کا موقع حاصل رہنا چاہئے تاکہ اس کی اہم ضروریات زندگی کا تکملہ ہو سکے۔

طبقہ واری اسکیم

یہ اسکیم تمام طبقات خواہ وہ اعلیٰ ہوں کہ ادنیٰ سب پر حاوی ہے اور ساری آبادی پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مگر سہولت کی خاطر آبادی کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) آجیر۔ (۲) وہ تمام افراد جو نفع آور پیشوں میں مصروف ہیں اور جن میں ملازم رکھنے والے مالک و دیگر آزاد پیشہ اشخاص شامل ہیں اور جن میں ملازم رکھنے والے مالک و دیگر آزاد پیشہ اشخاص شامل ہیں (۳) وہ افراد جو محنت تو کرتے ہیں مگر مصروف بکار رہنے کے مواقع حاصل نہیں ہیں۔ (۴) وہ افراد جو کام کرنے کی عمر نہیں رکھتے ہیں (۵) خانہ دار عورتیں (۶) ایسے افراد جو وظیفہ کی عمر کو پہونچ چکے ہیں اور جو مزید بار برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

خلاصہ اسکیم

اگر اسکیم کا بہ غور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسکو موجودہ معاشرہ میں (۳۲) بنیادی تبدیلیاں چاہتی ہے جس سے حقیقی معنوں میں سماجی فلاح و بہبود حاصل ہوگا۔ ان تمام تبدیلیوں اور اصولوں کو بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ لیکن چند اہم امور کا تذکرہ ضروری ہے اور ہم نے مضمون کو اسی حد تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اسکیم کے دو اہم بنیادی اجزاء ہیں اور وہ بچوں کا الاؤنس و صحت طبی امداد حاصل ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ عورتوں کے لئے چند خاص خاص مراعات کی سفارش کی گئی ہے۔ وظیفہ کبر سنی کے لئے خاص خاص اصول مقرر کئے گئے ہیں وظیفہ کی عمر کو پہونچنے کے بعد اگر کوئی شخص کام کرے تو اس کے لئے ترغیبی وظیفہ۔ بیمہ۔ صحت۔ بیمہ بیروزگاری، بیوہ اور یتیموں کو وظیفہ۔ اندھوں کی اعانت وغیرہ کے متعلق خاص خاص سفارشات کی گئی ہیں۔ اگر کام کے دوران میں مزدور کو نقصان ہو پہنچے تو اس کے لئے چند خاص خاص رعایتیں کی جائیں۔ تجہیز و تکفین کی امداد کے لئے بھی سفارش کی گئی ہے۔ سر ولیم کا خیال ہے کہ جہاں تک ہو سکے ضروریات کو پورا کیا جائے۔ اور کوئی فرد ایسا نہ رہے جو اپنی ضروریات کو پورا نہ کر سکتا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بیوریج اسکیم انگلستان کی سماجی زندگی میں ایک شاندار انقلاب کی مستحق ہے۔

رفع احتیاج

سر ولیم نے اپنی رپورٹ میں واضح کیا ہے کہ ان کے لائحہ عمل کا اولین مقصد رفع احتیاج ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہر انسان کی ضروریات زندگی پوری ہونی چاہئے۔ اور وہ اس کو پورا کرانے کا حق حاصل رکھتا ہے اور ان ضروریات زندگی کو پورا کرنے کی راہ سر ولیم نے بتلائی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ انسان کی یہ ضروریات گنی چنی ہیں اور ان کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ انسانیت کبھی بھی اس پر غور کرتی تو معاشرہ کا کوئی فرد بغیر ضروریات زندگی کے تکملہ نہیں رہ سکتا۔ امپیریل انویسٹیگیشن کمیٹی سے جو مواد Imperial Investigation Committee سر ولیم کو حاصل ہوا ہے۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ دولت مند طبقہ کو علحدہ رکھتے ہوئے بقیہ تمام افراد کی آمدنی کو جمع کرکے اگر افراد کے درمیان دوبارہ ایک اچھے اصول کے تحت تقسیم کی جاتی تو اس صورت میں ہر انسان کی ضروریات زندگی کا تکملہ ہو سکتا تھا سر ولیم کا اس سے یہ مقصد نہیں کہ دولت مندوں کو علحدہ کر دیا جائے بلکہ وہ ایک مفروضہ بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ بلا وجہ بیروزگاری اور دیگر مصائب تھے حالانکہ بہتر تنظیم کی جاتی تو اس کا امکان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

معاشرتی بیمہ

بیمہ کے سلسلہ میں جو بھی مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کو اس کو نئے طریقہ پر ڈھالنا چاہتے ہیں بیمہ کے فوائد سے ہر شخص کو متمتع ہونے کا موقعہ ملنا چاہئے۔ سر ولیم خانگی بیمہ کے خلاف ہیں اور وہ بیمہ کے سلسلہ میں ایک متحدہ کوشش کے خواہاں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بیمہ لازمی کر دیا جائے بلکہ مملکت کے ہر فرد کے لئے بیمہ ہو تاکہ مملکت کے سب کے سب افراد مساوی مساوی فائدہ حاصل کریں۔ تمام بیمہ کمپنیوں کو یکجا کرکے ایک متحدہ راستہ پر لایا جائے یا دوسرے معنوں میں بیمہ کمپنیوں میں مرکزیت پیدا کی جائے۔ اور صنعتی بیمہ ایک تجارتی کاروبار سے خدمات عامہ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے یعنی وہ نہ صرف تجارتی کاروبار ہے بلکہ حقیقی معنوں میں وہ خدمت الناس کی خدمت کرے تاکہ کم از کم [illegible] طور پر معاشرہ کو فلاح و بہبود حاصل ہو سکے۔ بیمہ [illegible]

صحت۔ بیمہ بیروزگاری۔ بیوائی اور یتیموں کے وظائف وظیفہ کبرسنی۔ معاوضہ مزدوراں۔ ان تمام کو متحد کر دیا جائے۔ بیروزگاری۔ علالت، معذوری، ضعیفی بیکسی اور زچگی کے بیمہ کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے نقائص کو دور کیا جائے۔ اداروں کی حالت بہتر کی جائے اور تمام بیمہ اسکیموں کو ایک مرکزی اسکیم کے تحت لایا جائے لیکن ساتھ ساتھ اس اسکیم کا یہ مقصد نہیں ہوگا کہ ان تمام سوسائٹیوں کو ختم کر دیا جائے جو آج کل بے روزگاروں اور غریبوں کی امداد کر رہے ہیں اور نہ ان کے معاوضوں کا کوئی اثر اسکیم پر پڑے گا۔

معاوضہ بے روزگاری اسکیم کے تحت ایک غیر شادی شدہ شخص کو (۲۴) شلنگ ہفتہ وار اور اگر بیمہ شدہ آدمی اس کی بیوی اور اس کے دو بچے ہوں تو ہفتہ وار (۴۰) شلنگ دینا قرار دیا۔ لیکن بیماری یا دیگر امور کی بنا پر وہ کام کرنے کے قابل نہ ہو تو اس کو ہفتہ وار (۱۰) شلنگ دئیے جانے کی سفارش کی گئی ہے شادی کے لئے دس پونڈ اور عورتوں کو زچگی کے موقع پر ۴ پونڈ اور (۱۳) ہفتے تک ۹ شلنگ روزانہ دیا جانا چاہئے۔ بیوریج کا خیال ہے کہ بیروزگاروں کی تعداد ایک ملین سے بڑھنے پر یہ اسکیم کارگر نہیں ہو سکتا۔ اسکیم کی خامی یہ ہے کہ آمدنی کی جانچ پڑتال کے لئے جو ذرائع ہیں وہ موثر نہیں ہیں۔ ہر فرد کی حقیقی آمدنی کا پتہ چلانا بہت دقت اور دشوار طلب ہے۔ دفتری کاروبار کرنے والے یا مزدوروں کی اجرت تو آسانی سے معلوم ہو سکتی ہے مگر ملک میں بعض ایسے طبقات بھی ہیں جن کی آمدنی کا حال معلوم کرنا بہت دشوار ہے۔ مثلاً ایک مضمون نگار ہے۔ اگر وہ کسی خاص اخبار کے دفتر میں کام کرتا ہو تو آسانی کے ساتھ اس کی آمدنی معلوم کرلی جاسکے گی لیکن اگر وہ خانگی طور پر مضمون نویسی شروع کر دے تو اس کی آمدنی کا اندازہ لگانا بہت دشوار طلب ہوگا اور یہ پتہ چلانا کہ وہ کتنے دن روزگار سے رہتا ہے اور کتنے دن روزگار سے نہیں رہتا بہت مشکل ہے۔ ایسی صورت میں اس کی امداد کرنے کا مسئلہ بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسکیم کے تحت جو بیمہ دیا جاتا ہے وہ افراد کی کامل ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا۔ سر ولیم کا خود خیال ہے کہ اگر بیروزگاروں کی تعداد ایک ملین سے بڑھ جائے تو پھر یہ اسکیم کارگر نہیں ہو سکتا۔ اسکیم کے تحت ہر بیروزگار کو خواہ اس کی امداد رشتہ دار کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں معاوضہ دیا جائے گا۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ اسکیم کے تحت ذرائع آمدنی کی جانچ پڑتال نہ ہوگی۔ کیونکہ اس جانچ پڑتال کی برطانیہ میں بہت مخالفت ہوتی ہے اور اس کو ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس طرح ہر بے روزگار کو معاوضہ دینے سے اخراجات زاید ہوں گے۔ اس کے علاوہ بہت سارے بیروزگار ایسے بھی ہوں گے جن کو دیگر ذرائع سے بھی آمدنی حاصل ہوتی ہوگی مگر اسکیم کے تحت ان بے روزگاروں کی بھی امداد کی جائے گی جن کی فی الواقعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اسکیم میں معیار زندگی کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ ہر شخص کے لئے خواہ اس کا معیار زندگی کیسا ہی ہو معاوضہ کی مقدار مساوی رکھی گئی ہے جو حقیقت میں ایک طرح سے ناانصافی ہے۔ اسکیم سے یقیناً یہی پیدا ہوتی ہے کہ بیوریج انسانی احتیاجات کا کامل تخمینہ چاہتے ہیں۔ لیکن فی الواقعی غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اسکیم کے تحت صرف چند گنی چنی ضروریات کا تکملہ کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکیم کے تحت مزدوروں کو عام طور پر فائدہ ہوگا۔

وظیفہ کبرسنی۔

بیوریج نے سماجی فلاح و بہبود کے حصول کے سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ سے بحث کی ہے اور وہ عمر رسیدہ اشخاص کا وظیفہ ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ بیوریج نے یہ چیز بھی واضح کر دی ہے کہ جیسے جیسے ان کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا ویسے ہی فراہمی رقوم کا مسئلہ بھی اہمیت اختیار کرتا جائے گا چنانچہ رپورٹ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں وہ افراد جو وظیفہ کے قابل تھے ان کی تعداد (۲۲۵۰۰۰۰) تھی اور یہی تعداد بڑھ کر ۱۹۳۱ء میں (۵۵۰۰۰۰۰) ہوئی اور اس کے ساتھ اس نے یہ قیاس آرائی بھی کی ہے ۱۹۶۱ء میں ان کی تعداد (۸۰۰۰۰۰۰) ہو جائے گی۔ بیوریج کا خیال ہے کہ وظیفہ کبرسنی کی مقدار زائد ہونی چاہئے گو اس سے اخراجات زیادہ ہوں گے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اسکیم میں سب سے زیادہ اخراجات وظیفہ کبرسنی کو شامل کرتے ہوئے دیگر وظائف کے ارسال کی وجہ سے ہوتے ہیں ۱۹۴۵ء میں اخراجات کا اندازہ کوئی (۱۲۶) ملین پونڈ کیا گیا ہے جو بڑھتے بڑھتے ۱۹۶۵ء تک (۳۰۰) ملین پونڈ کے لگ بھگ ہو جائیں گے۔ اسکیم کے تحت اگر جملہ اخراجات شامل کئے جائیں تو پھر سالانہ صرفہ کی مقدار ۱۹۶۵ء تک (۵۰۳) ملین پونڈ کے قریب ہوتی ہے۔ وظائف کی مجموعی رقم اور اس جملہ اخراجات کی رقم پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ حقیقت میں وظائف کی رقم کی مقدار جملہ اخراجات کی رقم سے نصف ہے ولیم بیوریج کا کہنا ہے کہ ہفتہ وار وظیفہ کی رقم کی مقدار کو (۱۰) شلنگ سے (۴۰) شلنگ تک بڑھا دینا چاہئے ایک غیر شادی شدہ آدمی کے لئے (۲۴) شلنگ اور ایک شادی شدہ کے لئے (۴۰) شلنگ ہفتہ وار وظیفہ مشخص کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ضعیفی کے زمانہ میں سوسائٹی کے دیگر افراد کو چاہئے کہ ضعیف کی کافی امداد کریں تاکہ اس کو اپنی زندگی کے آخری منازل طے کرنے میں دقت و دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے اور چین و اطمینان سے اپنی زندگی کے بقیہ دن پورے کرے۔ یہاں تک تو کوئی مخالفت نظر نہیں آتی اور سب اس پر متفق ہیں کہ مرد کے لئے وظیفہ کی عمر ۶۵ سال اور عورت کے لئے (۶۰) سال کافی ہے اور ان کو ضعیفی کے زمانہ میں سارے فوائد حاصل ہونے چاہئے مگر بیوریج اس کے ساتھ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر ۶۵ سال کے بعد کوئی شخص اپنی خدمت پیش کرنا چاہے اور حقیقت میں اس کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو پھر ایک غیر شادی شدہ کو فی ہفتہ ایک شلنگ وظیفہ زائد ملنا چاہئے تاکہ اس کو اس کے ایثار کا پورا پورا معاوضہ حاصل ہو سکے یعنی ۶۵ کے ہونے کے بعد اگر کوئی شخص کام کرے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ قوم کی خدمت کے لئے ایثار کر رہا ہے اور بجائے آرام حاصل کرنے کے وہ قوم کو اپنے سابقہ تجربہ سے مستفید کر رہا ہے۔ ایسی صورت میں قوم کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ اس کو زائد معاوضہ دے تاکہ وہ مطمئن ہو سکے مگر اس زائد وظیفہ کی انگلستان میں سخت مخالفت کی جارہی ہے اور مخالفین کا کہنا ہے کہ اس عمل سے (۲۰) ملین پونڈ سالانہ زائد اخراجات ہوں گے۔ آجکل ایک غیر شادی شدہ کو (۱۰) شلنگ اور شادی شدہ کو (۲۰) شلنگ وظیفہ ملتا ہے اس کے علاوہ اس طریقہ میں یہ بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کسی کو یہ وظائف کافی نہ ہوں تو پھر وہ اس کے متعلق درخواست پیش کرے۔ اس سہولت کے باوجود ۱۹۴۲ء میں صرف ۳۵/۲ افراد نے درخواستیں پیش کیں جس میں گنجائش کا لحاظ کرتے ہوئے اور حالات کی جانچ پڑتال کرکے صرف ۲۰٪ کو زائد وظیفہ دیا گیا اس سے وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ شادی شدہ کے لئے دس شلنگ اور غیر شادی شدہ کے لئے ۲ شلنگ کے لئے جو وظیفہ مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک لحاظ سے معاشرے کی اکثریت کے لئے کافی تھا۔ لہذا اس کی مقدار میں اگلی اضافہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ بیوریج کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بجائے بیماروں اور بے روزگاروں کے عمر رسیدوں کی زیادہ امداد چاہتے ہیں جو فی الواقعی انصاف پر مبنی نہیں ہے۔

اسکیم کی خوبیاں اور خامیاں

بیوریج اسکیم میں سماجی فلاح و بہبودی کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے ہیں جن میں سے اکثر حکومت نے مشروط طور پر قبول کرلئے ہیں لیکن حکومت نے بعض اہم اقدامات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مثلاً وزارت تحفظ سماج کے قیام کی تحریک کو رد کر دیا گیا معاوضہ مزدوراں کی خرابیوں کی اصلاح کو پسند نہیں کیا گیا۔ وظائف کی تجویز کو منظور نہیں کیا۔ صنعتی بیمہ کو ایک پبلک ادارہ میں تبدیل کرنے سے انکار کیا گیا ہے

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۱۲)

حکومت کی غذائی پالیسی

صحافتی کانفرنس میں آنریبل مسٹر گرگسن کی تقریر

حیدرآباد ۲۷ آذر۔ عالی جناب صدر المہام بہادر مال نے مسئلہ اغذیہ سے متعلق صحافتی کانفرنس میں حسب ذیل تقریر فرمائی۔

ہندوستان میں مسئلہ اغذیہ کی ابتدا حسب ذیل وجوہ کی بنا پر ہوئی ہے۔

(۱) برما کا سقوط جس کی وجہ سے تقریباً ۲۰ لاکھ ٹن سالانہ چاول کی برآمد بند ہو گئی ہے (۲) اکتوبر ۱۹۴۲ء کے طوفانی بارش کی وجہ سے بنگال میں ذخائر کی تباہی۔ (۳) کاشتکاروں کے مال کو روک رکھنے اور زیادہ اجناس کے صرف کرنے کی وجہ فروخت شدنی ذخائر میں کمی (۴) ان اشخاص کا جن کی آمدنیاں پہلی مرتبہ زیادہ ہو گئی تھیں۔ اجناس خوردنی کا زیادہ استعمال کرنا (۵) موجودہ ذخائر کا خفیہ اور ناجائز فروخت کے لئے چھپا رکھنا (۶) افراط زر اور (۷) حمل و نقل کی دشواریاں۔ پنجاب یو۔ پی۔ سی۔ پی اور سندھ اور اوڑیسہ کی طرح حیدرآباد بھی اجناس خوردنی کی برآمد کرنے والا ملک ہے میں نے حالیہ مرکزی مشاورتی کمیٹی اغذیہ کے اجلاس میں اس پر زور دیا تھا کہ مسئلہ اغذیہ کے اجلاس میں اس پر زور دیا تھا کہ مسئلہ اغذیہ پورے ہندوستان کا مسئلہ ہے اگر ہندوستان کے کسی ایک حصہ میں بھی فاقہ کشی ہو تو سارا ہندوستان متاثر ہوگا۔ جنگی جدوجہد پر بھی اثر پڑے گا۔ افواہیں پھیلیں گی۔ اور اس کے نتیجہ کے طور پر خوف پیدا ہوگا اور انسان کے اپنے ہاتھوں زیاں بنائے ہوئے قحط کا امکان پیدا ہو جائے گا۔

یہی بہ حیثیت ہندوستانی ہونے کے یہ سرکار حیدرآباد کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ان دور کے علاقوں کو مثلاً بنگال، کیرالا اور جنوبی بمبئی کے مصیبت زدہ فاقہ کشی میں مبتلا دیکھیں، پوری کفایت شعاری کر کے اور نیا طریقہ اختیار کر کے ان علاقہ جات کو اجناس خوردنی برآمد کرنے کی امکانی کوشش کریں۔

راشن بندی کی ضرورت

راشن بندی کے متعلق حیدرآباد کے بعض پبلک کے نمائندوں نے نکتہ چینی کی ہے کہ جب ملک میں کافی پیداوار موجود ہے تو پھر راشن بندی کی ضرورت ہے اور بعض دیگر نمائندے اصحاب نے اس کے برعکس یہ کہا کہ چونکہ حیدرآباد میں اغذیہ کی قلت ہے راشن بندی نہ ہونی چاہئے۔ ہندوستان کے عمومی نکتہ نظر سے راشن بندی کی ضرورت اس لئے ہے کہ یہ ہم میں ہندوستانی ملکی بھائی کی مصیبت کا احساس پیدا کرتی ہے اور یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کی بدولت متمول افراد کو ایثار نہ کرنے والا کیا جا سکتا ہے بالخصوص صورت میں جبکہ غریب فاقوں میں مبتلا ہیں اور اس کی بدولت اجناس کی روک کا حزن پر انسانوں کا تانتا جو بندھا ہوا ہوتا ہے اس کا انسداد ممکن ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اس قسم کے ہجوم کی وجہ سماجی بے چینی اور ملک میں تشویش و ہراس پھیلتا ہے۔

اسی طرح راشن بندی کے ذریعہ رائے عامہ کی تنظیم ذخیرہ بند اشخاص اور حریص نفع کرنے والوں کے خلاف عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان دیگر ممالک سے اغذیہ کا مطالبہ کر سکے ایسے وقت میں جبکہ ممالک مذکور میں جہاز اور دیگر حمل و نقل کے ذرائع کی کمی ہے ایسے ممالک یہ پوچھ سکتے ہیں کیا آپ اس کی امید رکھتے ہیں کہ ہم اپنا غلہ اور جہاز آپ کو دیں اور آپ اس کے لئے کبھی تیار نہ ہوں کہ راشن بندی کے ذریعہ اپنی رسد کی منصفانہ تنظیم کریں۔

اور ہندوستانی اس باب میں متفق ہیں کہ طویل المدت پروگرام کا جزو لاینفک ہے۔ چنانچہ حیدرآباد اور سرنگل میں بھی جہاں سرکار عالی نے راشن بندی کے فوری نفاذ کو کل ہند مسئلہ اغذیہ کے حل کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ عام لوگوں نے غرباء کی مشکلات کو تسلیم کرتے ہوئے فراخ دلی سے غذائی امداد کے لئے چندے دئے ہیں۔

یہاں ارزاں فروشی کی دکانوں کا سوال پیدا ہوتا ہے یہ سمجھئے ممکن ہے کہ ان دکانوں کو ایسے لوگوں کے ہجوم سے بچایا جائے جو حقیقی معنوں میں امداد کے مستحق نہیں ہیں اور جنہیں معمولی دکانوں پر جانا چاہئے تاوقتیکہ راشن بندی کے کارڈ تمام افراد کو نہ دئے جائیں جن میں ہر ذریعہ سے خرید کا مواد درج ہو۔

حیدرآباد کے مسائل اور اس کا حل۔

ممالک محروسہ کی حد تک اگر کوئی غذائی مسئلہ ہو سکتا ہے تو اس کا تعلق آبادی کے اس غیر مزدور پیشہ غریب طبقہ کی مشکلات سے ہے جو قیمتوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور ثانیاً اس کا تعلق ان سخت مصائب سے ہے جو فصلوں کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی جیسا کہ گئی سال سے اضلاع کرناٹک کے بعض حصص کا حال ہے خوش قسمتی سے وہاں اس سال فصلیں اچھی ہیں یا تیسرا ذیلی مسئلہ اجناس خوردنی کی ان جنوبی علاقوں میں تقسیم کا ہے جہاں مونگ پھلی اور ارنڈی نے اجناس خوردنی کی بڑے رقبہ جات میں جگہ لے لی ہے۔

(باقی دارد)

مابعد جنگ تنظیم کے مسائل

بسلسلہ صفحہ (۴)

یہ کام صرف معلمین کا نہیں بلکہ حکومت اور عوام کا بھی ہے۔ پسماندہ اقوام کو معاشی آزادی کس طرح حاصل ہوگی۔ ایک دشوار سوال ہے۔ وسیع پیمانہ پر انہیں زراعت کے لئے اراضیات دینے اور شہری صنعتوں میں ان کو مصروف کرنے کے علاوہ دوسرے طریقے بھی اختیار کرنے پڑیں گے جن سے ان کے لئے زندگی کے نئے راستے کھل سکیں۔

سماجی پروگرام کا تیسرا جزو یہ ہونا چاہئے کہ ان امراض کے خلاف ایک مہم شروع کی جائے جو ہندوستان کے باشندوں کو کمزور کرتے ہیں اور سالانہ ایک بڑی تعداد جن کا شکار ہو جاتی ہے۔ ہندوستان میں صحت عامہ کے انتظامات بالکل ناکافی ہیں۔

تعلیمی پالیسی میں بڑی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے مابعد جنگ تنظیم کی کوئی اسکیم کامیاب نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ ہمارے تعلیمی نظام کی از سر نو تعمیر نہ کی جائے۔ موجودہ نظام کی خرابیاں بالکل نمایاں ہیں موجودہ نظام میں صرف متوسط طبقہ کی ضروریات پوری ہوتی ہیں یہ نظام پوری قوم کے لئے کافی نہیں اور عملی فوائد سے بھی معرا ہے۔ ظاہر ہے کہ قومی تعلیم کی اسکیم میں محض علمی تعلیم پر زور دینا جیسا کہ اب مدارس میں ہو رہا ہے کافی نہیں بلکہ اس کو عملی طور پر عملی بنانا پڑے گا۔

ہماری قومی زندگی کی بنیادوں کو از سر نو تعمیر کرنے کا جو موقع اب حاصل ہے بار بار حاصل نہ ہوگا۔ عالمگیر جنگ کے اثرات نے ہماری قوم میں انتشار پیدا کر دیا ہے ہماری معاشی خوشحالی کا کھوکھلا پن نمایاں ہو چکا ہے اور قحط کے آثار ایک بڑے رقبہ پر پیدا ہو رہے ہیں ہماری صنعتیں دوسرے ممالک کی سرپرستی پر منحصر ہیں۔ جبر زندگی کی تحریک اور وہ ذہنی اضطراب جو جنگ کے اثرات سے پیدا ہو رہے ہیں سوچنے والے دماغوں پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ ایک نئے سماجی نظام کو وجود میں لانے کی کوشش کریں جو زیادہ منصفانہ، زیادہ متوازن اور جو سب کی اہم ترین ضروریات کی تکمیل کا ضامن ہو۔

بیورج اسکیم کے اہم اجزا

بسلسلہ صفحہ (۹)

ان تمام اقدامات کو نظر انداز کرتے ہوئے بھی بیورج اسکیم سماجی فلاح و بہبود کے حصول میں بڑی حد تک مفید اور کارگر ہے۔ بیورج اسکیم پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ضبط تولید سے متعلق کچھ بیان نہیں کیا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اعتراض بجا نہیں کیونکہ بیورج نے بچوں کے الاونس کا جو تذکرہ کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ بیورج ضبط تولید کے خلاف ہیں اور آبادی کے اضافہ کی جانب مائل ہیں۔ انگلستان میں ۱۹۰۱ء سے ضبط تولید کی تحریک جاری ہے۔ ممکن ہے کہ بچوں کے الاونس سے اس چیز کا ایک حد تک تدارک ہو جائے۔

مفت طبی امداد کی وجہ سے معاشرہ بہت فائدہ میں رہ سکتا ہے اور ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کرنے کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسکیم میں ضرور چند خامیاں ہیں مثلاً بغیر آمدنی کی جانچ پڑتال کئے ہر شخص کو مساوی امداد دینا ۔۔۔ داروں کی امداد کو نظر انداز کرنا۔ کرایہ مکان کے سلسلہ میں تفریق مکان کا لحاظ نہ رکھنا وغیرہ جس سے کوئی فرد انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن مجموعی حیثیت سے اسکیم میں بہت سارے فوائد ہیں۔

بیورج اسکیم کس حد تک قابل عمل ہے؟ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجودہ حالات میں یہ اسکیم قابل عمل ہے؟ کیا اسکیم کے مقاصد کو کامل طور پر حاصل کیا جا سکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو توجہ کے محتاج ہیں اور جواب طلب بھی۔ فی الحال تو انگلستان ابھی جنگ کے دور سے گزر رہا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کا مالیہ سخت متاثر ہے اس کا سارا کا سارا اصل جنگ میں مشغول ہے نہ صرف حکومت انگلستان اپنا اصل ختم کر چکی ہے بلکہ وہ فراہمی اسلحہ کے سلسلہ میں ہندوستان اور امریکہ کی مقروض ہو چکی ہے۔ غرض مالی مسئلہ بہت ہی وقت طلب ہے اور دوبارہ مالی استحکام حاصل کرنے کے لئے بڑی دقت و دشواری کا سامنا کرنا ہوگا۔ محاصل کی وصولی کا ایک ایسا زبردست مسئلہ ہے جو نہ صرف دوران جنگ میں اہمیت رکھتا ہے بلکہ مابعد جنگ بھی اس کی خاص اہمیت ہے اس کے علاوہ جنگ کے بعد حکومت کے اخراجات ایک اور طرح سے بڑھیں گے اور وہ تعمیر مکانات، تعلیم اور دیگر سماجی ضرورتوں کا تکملہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں اسکیم پر عمل کرنا انگلستان کے لئے ایک زبردست امتحان کا موقع ہوگا اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اس کا مالیہ متوازن نہیں ہے۔

ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ انگلستان کی لیبر جماعت اس اسکیم کی سخت مخالفت کرتی اگر جنگ نہ ہوتی لیکن کیونکہ جنگ کا زمانہ ہے لہذا اس مسئلہ پر زیادہ بحث نہیں کی گئی ہے۔ بیورج اسکیم حقیقت میں انگلستان کی سماجی زندگی میں ایک انقلاب چاہتی

ہے اور یہ چیز قدامت پسند جماعت کے اصول کے خلاف ہے غرض یہ ہے کہ مابعد جنگ کے خیالات اور متفکر ہو جائیں چنانچہ اس خطبہ سے رائے عامہ کو بیدار اور منظم کرنے کے لئے ایک مستقل جدوجہد کے لئے پروفیسر کول اور لاسکی نے تلقین کی ہے۔

وفاق ہندوستان کے لئے موزوں نہیں ہے

بسلسلہ صفحہ اول

نظر ثانی کرتے ہوئے سر سکندر حیات مرحوم نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ صوبوں اور ریاستوں کو سات منطقوں میں ترتیب دیا جائے۔ ان میں سے ایک منطقہ شمال مغربی رقبہ پر مشتمل تھا۔ صوبوں کے منطقوں میں ترتیب پاکستان سے مختلف ہے۔ اگر پاکستان سے مراد مکمل آزادی کے ہیں تب اس سے ایک قسم کا پاکستان مہیا ہو جاتا ہے۔ جیسے مسلم اکثریت کے صوبے فوجی وحدتوں کی حیثیت سے منظم ہو جاتے ہیں۔ ریاستوں کی حد تک بھی یہ تجویز کارآمد ہو سکتی ہے اگر صوبوں کو منطقوں میں ترتیب دیا جائے تو ریاستوں کا معاشی مفاد اسی میں ہے کہ اپنے سے قریب ترین صوبے سے ربط قائم کریں۔ لیکن اگر وہ اس سے علیحدہ رہنا چاہیں تو مرکز میں نمائندگی کی حد تک کیا وہ صوبوں کے ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتیں۔ یہ محض ایک رائے ہے اس اسکیم پر بہت سے اعتراضات ہو سکتے ہیں مگر تقاضوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ مرکز کے مسئلہ کو کسی نہ کسی طرح حل کرنا پڑے گا ورنہ ہندوستان کی تقسیم ناگزیر ہوگی۔

حیدریہ پریس چار مینار میں طبع ہو کر باہتمام سید حسن رضا عثمانیہ دفتر مملکت سانچہ توپ سے شائع ہوا ۔